خاتون کربلا سیدہ زینب بنت علیؓ

اسلامی معاشروں میں کون سا گھر ہوگا جہاں عائشہ، فاطمہ، خدیجہ، زینب، حفصہ، میمونہ، جویریہ وغیرہ کے ناموں کی خواتین اور بچیاں نہ پائی جاتی ہوں۔ نومولود کا نام رکھنا ہماری مسلم اقدار و روایات میں ایک حساس کام شمار ہوتا ہے۔ نام رکھتے ہوئے اس کے معنی دیکھے جاتے ہیں لیکن امہات المومنینؓ وصحابیاتؓ کے نام رکھتے ہوئے لوگ عموماً معنی کی بھی پروا نہیں کرتے کہ آلِ رسول ﷺ کے گھرانے کے نام ہی برکت وسعادت کے لیے کافی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ اسلام کی ان عظیم ہستیوں کے نام ہر مسلمان خاندان کی زینت ہیں۔

یہاں سوچنے کا مقام یہ ہے کہ ان ناموں سے ہماری وابستگی محض عقیدت و برکت کی حد تک رہے گی یا ان ناموں کے پیچھے جو عظیم شخصیات ہیں، ہمیں اپنے بچوں کو ان کی عظمت سے بھی متعارف کرانا چاہیے۔ امہات المومنینؓ ہوں یا صحابیات رسول ﷺ اولاً تو ان ہستیوں کی بہت کم روایات ہم تک پہنچی ہیں کیونکہ نبی پاک ﷺ کی رحلت کے بعد ابتدائی صدیوں میں تمام تر توجہ علوم قرآن وحدیث کی تدوین پر مرکوز رہی۔ جن عظیم ہستیوں نے اس کام کا بیڑا اٹھایا، قیامت تک ان کی کاوشیں ان کے لیے صدقہ جاریہ کا کام کریں گی۔ انشاءاللہ

اسلامی تاریخ کے ابتدائی دور میں جتنا روشن کردار مردوں کا ہے اتنا ہی ٹھوس کردار اس دور کی خواتین کا بھی ہے۔ ان مقدس ہستیوں کے درخشندہ تذکرے ایمان کو جلا دیتے ہیں۔ ان سے کسب نور کر کے ہم ظلمتوں کے اندھیروں کو روشنی میں بدل سکتے ہیں۔ ان میں سے

کسی بھی شخصیت کا تذکرہ کیا جائے تو عہد نبوی ﷺ اور خلفائے راشدینؓ کی پوری تاریخ نظروں کے سامنے آ جاتی ہے۔

مکی دور میں اہل ایمان نے جو صعوبتیں برداشت کیں وہ تنہا مردوں کی قربانی نہ تھی۔ اگر خواتین ان مصائب میں اعلیٰ درجہ کے صبر اور استقامت کا مظاہرہ نہ کرتیں تو اسلامی تاریخ میں اتنی کامیابیاں ممکن نہ ہوتیں۔ خواتین نے بھی مردوں کے شانہ بشانہ جاں فرسا آزمائشوں کا مقابلہ کر کے توحید کے علم کو بلند کرنے میں مساوی کردار ادا کیا۔ ہجرت حبشہ ہو یا ہجرتِ مدینہ، مکہ کا پرفتن دور ہو یا مدینہ کی نو آموز اسلامی ریاست کے خلاف سازشیں اور کمر توڑ جدوجہد، خواتین ہر دور اور ہر قافلے میں اپنا مجاہدانہ کردار ادا کرتی نظر آتی ہیں۔ ہجرتیں کیں، گھر بار چھوڑے، جنگوں میں خدمات انجام دیں، یہاں تک کہ زخم بھی کھائے۔ شوہر، بھائی، باپ اور بیٹے میدان جہاد کے لیے روانہ کیے۔ شہادت کی خبریں پائیں اور صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔

اس وقت مسلم امہ آزمائش کے جس پرفتن دور سے گزر رہی ہے، اس میں کرنے کا ایک عملی کام یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ اور صحابیات رسول ﷺ کی زندگی کے ہر ہر پہلو سے آنے والی نسلوں کو روشناس کرایا جائے۔ ان تاب ناک کرداروں کے تذکرے جنہیں ہم بڑی حد تک فراموش کر چکے ہیں آج بھی ہمارے ملی وجود کو حیات نو بخشنے کے لیے کافی ہیں۔ بات سادہ سی ہے کہ ہم نے اپنے تابناک ماضی اور اس سے جڑی عظیم ہستیوں کی سیرتوں کو فراموش کر دیا۔ جب نشان منزل دھندلائے تو ہم نے اندھا دھند اغیار کی تقلید شروع کر دی۔ آج ہمارا زوال اسی غفلت کا شاخسانہ ہے۔ تہذیبوں کی اس جنگ میں ہماری فتح اپنی تہذیب اور اس کی اعلیٰ اقدار سے وابستہ ہونے میں ہے۔ جس کا عملی نمونہ ان پاک باز ہستیوں نے پیش کیا۔

ضرورت ہے کہ قرآن نے جنہیں ''مومنات'' ''صالحات'' ''قانتات'' کہہ کر پکارا ہے ہم محض ان کی عقیدت میں نام رکھنے پر اکتفا نہ کریں بلکہ اپنے گھروں میں امہات

المومنینؓ، بناتِ مطہراتؓ اور دیگر عالی مرتبہ صحابیاتؓ کے تذکرے کریں۔ان کرداروں کو پھر سے زندہ کریں۔اپنے خانگی اور معاشرتی ماحول کو ان کے پرنور تذکروں سے معطر ومنور رکھیں۔ان عظیم ہستیوں سے ہمیں جو نسبت ہے محض ان کے نام اختیار کر لینے سے اس کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔ ع

ان سے ہی مجھے نسبت ہے مگر کب ان کی حقیقت پہچانی

یہ سوانح نہ صرف ہمارے ایمان کی بالیدگی کا ذریعہ ہیں بلکہ ان حالات واقعات میں ہمارے لیے درس عبرت بھی ہے کہ قرونِ اولیٰ کی خواتین نے اسلام کی تمام حدود کا پاس ولحاظ رکھتے ہوئے کتنے عظیم کارنامے سرانجام دیئے۔

آج عقل حیران ہوتی ہے کہ وہ کیسی تعلیم وتربیت،اور مشن سے کیسا عشق تھا جس نے چودہ صدیاں قبل عظمت کے ان استعاروں سے تاریخ کو روشناس کرایا!!!

حضرت زینب بنت علیؓ

عزیمت کی اس کہکشاں سے حضرت زینب بنت علیؓ کے تذکرے سے درس نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

حضرت زینب بنتِ علیؓ کی عمر رسول پاک ﷺ کے انتقال کے وقت چھ برس تھی۔ آپؓ کی خوش بختی تھی کہ نبی پاک ﷺ نے اپنے دھنِ مبارک میں کھجور چبائی اور لعابِ مبارک بچی کے منہ میں ڈالا۔نومولود کو دیر تک گود میں لیے رکھا اور اس کا نام ''زینب'' تجویز فرمایا اور فرمایا: ''یہ ہم شبیہ خدیجہ ہے۔'' آپ ۵ھ میں پیدا ہوئیں۔

پرورش:

یہ پھول جس گلشن میں کھلا تھا اس پر انسانیت آج بھی نازاں ہے۔وہ اس روئے زمین کا بہترین اور قابل فخر گھرانہ تھا۔جس بچی کے نانا سید الانبیاء رحمت دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ

ﷺ ہوں، نانی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہوں، باپ باب العلم حضرت علی کرم اللہ وجہ ہوں اور ماں فاطمۃ الزھرہ بتول رضی اللہ عنہا ہوں، اس بچی کی پرورش میں کیا کسر رہ سکتی ہے؟ مزید اعزاز یہ کہ اس کے بھائی حضرت امام حسنؓ و حسینؓ جنت کے جوانوں کے سردار کا لقب پا چکے ہوں، اس کے نصیب پر جتنا بھی فخر کیا جائے کم ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا کی پرورش اور تربیت براہِ راست نبی کریم ﷺ، حیدر کرار رضی اللہ عنہ اور سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا کے زیر سایہ ہوئی۔

روایات میں ہے کہ آپ ﷺ بچوں سے بہت محبت فرماتے تھے۔ حضرت زینبؓ بھی آپ ﷺ کی لاڈلی تھیں۔ کئی مرتبہ وہ بھی اپنے بھائیوں کی طرح نانا جان کے کاندھوں پر سوار دیکھی گئیں۔ جب آپ ﷺ حجۃ الوداع کے لیے مکہ معظّمہ تشریف لے گئے، اس سفر میں حضرت زینبؓ بھی آپؐ کے ساتھ تھیں۔ اس وقت ان کی عمر پانچ برس تھی اور یہ ان کا پہلا سفر تھا۔ اس نوعمری میں اللہ نے ان کو اس عظیم مکتب سے بہت کچھ سیکھنے اور سمجھنے کا موقع عطا فرمایا۔

روایات میں ہے کہ عہد طفلی میں ایک مرتبہ قرآن کریم کی تلاوت کر رہی تھیں، سر سے اوڑھنی ڈھلک گئی۔ سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا نے دیکھا تو بیٹی کے سر کو اوڑھنی سے ڈھکتے ہوئے فرمایا: ''بیٹی! اللہ کا کلام ننگے سر نہیں پڑھتے۔''

سیدہ فاطمۃ الزہرہؓ کی آغوش میں پلنے والا یہ پھول جو ایک عالم کو معطر کرنے والا تھا کہ ننھی سیدہ زینبؓ چھ برس کی عمر میں نانا رسول خدا ﷺ کی گھنی چھاؤں سے محروم ہوئیں اور ٹھیک چھ ماہ بعد ماں کی جدائی کا عظیم صدمہ سہنا پڑا۔ معصوم بہن بھائیوں نے ان صدمات کو کیسے سہا ہوگا۔ البتہ ''باب العلم'' خود معلم تھے اس خاندان کے۔ ہر موقع پر انہوں نے ان معصوم ذہنوں کو علم و حکمت کے خزانوں سے جس طرح بھرا ہوگا، اس کا ثبوت آپؓ کے خاندان کو پیش آنے والی مشکلات میں ان کی اولوالعزمی دیکھ کر ہوتا ہے۔ حضرت امام حسنؓ و حسینؓ اور سیدہ زینبؓ نے تاریخ کا جو باب رقم کیا ہے، اس کی

توقع اس سے کم درجہ کے کسی کردار سے نہیں کی جاسکتی۔ تاریخ کا رخ ایسی ہی عظیم ہستیاں بدلتی ہیں۔ عمارت معمار کے ہاتھوں کا پتہ دیتی ہے۔

سیدہ زینبؓ کے علم وفضل کی ایک جھلک ہمیں ان تقاریر میں ملے گی جو انہوں نے انتہائی غم والم کے مختلف مواقع پر اپنے خاندان کے لہو سے ہولی کھیلنے والوں کے سامنے کیں۔

ازدواجی زندگی کا آغاز:

طبقات ابن سعدؒ میں روایات ہیں کہ سیدہ زینب بنت علیؓ جب سن بلوغ کو پہنچیں تو قبیلہ کندہ کے رئیس اشعث نے ان سے نکاح کی خواہش ظاہر کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی لخت جگر کے لیے یہ رشتہ قبول نہ کیا۔ اس کے بعد ان کے بھتیجے حضرت جعفر طیارؓ (جو جنگ موتہ میں شہادت کے عظیم رتبہ پر فائز ہو چکے تھے) ان کے فرزند عبداللہ اپنے چچا حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نکاح کی خواہش ظاہر کی۔ حضرت علیؓ کی نظریں دیکھ رہی تھیں کہ نکاح کا خواہش مند وہ نوجوان ہے جس کی تربیت اس کے باپ کی شہادت کے بعد خود نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی۔ اس تراشیدہ ہیرے سے بہتر اور کون ہوسکتا تھا جس کے ہاتھ میں وہ اپنی بیٹی کا ہاتھ دیتے۔ اس وقت حضرت علیؓ بحیثیت چچا ان کے نگران اور سرپرست تھے۔ وہ نوجوان سیرت وصورت میں قریش میں اعلیٰ مقام رکھتا تھا اپنے اعلیٰ اخلاق وکردار کے باعث۔

نکاح کی تاریخ مقرر ہوئی۔ یہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت تھا۔ اس وقت سیدہ زینبؓ کی عمر بارہ یا تیرہ برس تھی۔ سادگی سے نکاح کے بعد خاندان کی خواتین انہیں عبداللہ بن جعفرؓ کے گھر پہنچا کر آ گئیں۔ ان کے مہر کی رقم میں روایات میں اختلافات ہیں۔ کہیں 380 درہم اور کہیں چالیس ہزار درہم درج ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ مستحکم مالی حیثیت کے مالک تھے۔ تجارت کرتے تھے، اگلے دن دعوت ولیمہ میں دوست واحباب نے شرکت کی۔

حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کے گھر میں لونڈیاں اور خادم تھے لیکن سیدہ زینب رضی اللہ عنہا

شوہر کی خدمت کو اعزاز سمجھتے ہوئے ان کے کام اپنے ہاتھوں سے کر کے خوشی محسوس کرتیں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی یہ شہادت رہتی دنیا تک تاریخ کی کتابوں میں حضرت زینبؓ کے کردار کی گواہی کے طور پر موجود رہے گی کہ ''زینبؓ بہترین گھر والی ہے۔''

دونوں میاں بیوی جود وسخا میں ایک دوسرے سے بڑھ کر تھے۔ ناممکن تھا کہ کوئی سائل ان کے در پر آئے اور خالی ہاتھ چلا جائے۔ کتنے محتاج و مسکین گھرانوں کا وہ سہارا تھے۔ ان کی دریا دلی دیکھتے ہوئے امام حسین رضی اللہ عنہ نے ایک بار سرزنش کی کہ غیر مستحق لوگوں کے ساتھ دریا دلی کا معاملہ نہ کیا کریں، جس پر انہوں نے کہا کہ ''اللہ نے مجھے دولت دی ہی اس لیے ہے کہ اس کے بندوں میں تقسیم کر دوں۔'' قابل ذکر بات یہ ہے کہ دولت کی ریل پیل سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے مزاج پر اثر انداز نہ ہو سکی۔ وہ زندگی بھر صبر و قناعت، سادگی اور جفاکشی کا پیکر دکھائی دیں۔

بحیثیت عالمہ:

37 ہجری میں اپنے عہد خلافت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ کو دارُالخلافت بنایا تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا مع شوہر کے مدینہ منورہ سے کوفہ آ گئیں۔ روایات میں ہے کہ جانفشانی سے درس و تدریس اور وعظ و ہدایت کے کام میں مشغول ہو گئیں۔ خواتین کے لیے مرجع خلائق قرار پائیں۔ خواتین قرآن و حدیث کے درس کے ساتھ ساتھ اپنے فقہی مسائل میں بھی ان کے علم کے سرچشمہ سے سیراب ہوتیں۔ ان کے علم و فضل کی شہرت دور دور تک پھیل گئی تھی۔

دورِ ابتلاء کا آغاز:

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اپنے نانا اور والدین سے حاصل کیے ہوئے علم کی شمعیں روشن کر رہی تھیں کہ 17 رمضان المبارک 40 ہجری میں مسجد کوفہ میں سجدہ ریز حضرت علیؓ کو دشمن دین عبدالرحمٰن بن ملجم نے قاتلانہ حملے میں شہید کر دیا۔ حضرت زینبؓ غم سے نڈھال تھیں۔ انہیں یہ معلوم نہ تھا

کہ یہ تو دور ابتلاء کا آغاز ہے۔

خاتون کربلا:

روایات میں ہے کہ ذی الحج 60 ہجری میں اس وقت درپیش حالات وواقعات کی روشنی میں سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ سے کوفہ کے لیے رخت سفر باندھتے ہیں۔ اس کا محرک اہل کوفہ کی بار بار کی دعوت تھی۔ حضرت زینبؓ کو اس کی خبر ہوئی تو بے تاب ہو گئیں اور دو کم عمر فرزندوں کے ہمراہ اس مقدس سفر میں شامل ہو گئیں۔ شوہر عبداللہ بن جعفرؓ خود تو بوجوہ شریک نہ ہو سکے۔ مگر حضرت زینبؓ کے جذبات کو دیکھتے ہوئے ان کو اور بچوں کو جانے کی اجازت دی۔

10 محرم الحرام 61ھ

اسلامی تاریخ کا کربناک دن، میدانِ کربلا اسلامی تاریخ کا چوراہا قرار پایا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی آنکھوں کے سامنے ان کے خون کے رشتوں کے خون بہتے رہے۔ گردنیں تلواروں کے نیچے آتی رہیں، کن کن آستینوں کے خنجر بے نقاب ہوئے۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے جس صبر کا مظاہرہ کیا تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

جو کچھ ہو رہا تھا نگاہوں کے سامنے تھا۔ جو کچھ ہونے جا رہا تھا اس کا نقشہ بھی نگاہوں سے اوجھل نہ تھا۔ شہادت سے قبل کی رات جب امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے آنسو نہ روک سکے اور فرمایا: ''اے بہن صبر کرو۔ خدا سے تسکین حاصل کرو۔ خدا کی ذات کے سوا ساری کائنات کے لیے فنا ہے۔ ہمارے لیے ہمارے نانا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس نمونہ ہے۔ تم انہی کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کرنا۔ میری بہن! تمہیں قسم دیتا ہوں کہ اگر میں راہِ حق میں کام آ جاؤں تو میرے ماتم میں گریبان نہ پھاڑنا، چہرہ کو نوچنا نہ بین کرنا۔''

10 محرم الحرام کو جب چار سو ان کے پیاروں کے لاشے بکھرے پڑے تھے، انہوں نے بھائی کی اس وصیت کی لاج رکھی اور عزم وحوصلہ کا پیکر بن گئیں۔

پیکر شجاعت:

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے علی اکبر کو شہید ہوتے دیکھا تو ''یا ابن اخاہ'' کہتی ہوئی بے تابانہ خیمے سے نکلیں اور بھتیجے کے لاشے سے چمٹ گئیں۔ خاندان کے سپوت ایک ایک کر کے جام شہادت نوش کرتے چلے گئے۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے کم عمر فرزندوں عونؒ اور محمدؒ کو میدانِ جنگ میں بھیجنے کی اجازت چاہی۔ حضرت امام حسینؓ کس دل سے اجازت دیتے۔ سیدہ کے بے حد اصرار پر خاموش ہو گئے۔ سیدہ کے دونوں لال میدان جنگ میں داد شجاعت دیتے ہوئے تلواروں اور نیزوں کی زد میں آ کر جام شہادت نوش کر گئے۔ سیدنا حسینؓ تنہا رہ گئے۔ زین العابدین علی بن حسین شدید علیل تھے۔ میدان جنگ میں جانے کے قابل نہ تھے، سیدنا امام نے ان کو حضرت زینب کے سپرد کیا اور خود تلوار اٹھا کر دشمنوں کی صفوں کو الٹ کر رکھ دیا۔ شمشیر حسینیؓ کی چمک کے سامنے کوئی ٹھہر نہ پاتا۔ تلواروں، خنجروں، نیزوں کی برسات تھی۔ ایک نیزہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے گلوئے مبارک میں پیوست ہو گیا۔ حضرت زینبؓ قریب ہی ایک ٹیلہ پر چڑھیں اور شامی فوج کے کمانڈر کو للکار کر کہا:

''اے عمر بن سعد! کیا قیامت ہے کہ ابو عبداللہ قتل کیے جا رہے ہیں اور تم تماشائی ہو۔

سیدنا امام حسینؓ خون کی الٹیاں کرتے ہوئے جسم کی قید سے آزاد ہو گئے۔ ان کے نانا صلی اللہ علیہ وسلم ان کے منتظر تھے۔ جنت ان کے لیے سجائی جا چکی تھی، شہدائے کربلا کو بے دردی سے قتل کر کے ان کے مقدس جسموں کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کیا گیا۔ ایک بدنصیب نے چاہا کہ زین العابدین کو بھی نیزے کی نوک پر لے لے مگر حضرت زینب رضی اللہ عنہا ڈھال بن گئیں اور فرمایا ''خدا کی قسم جب تک میں زندہ ہوں اس بیمار کو کوئی قتل نہیں کر سکتا۔''

نوحہ زندگی کا:

یہ کہنے میں کوئی حرج نہیں کہ واقعہ کربلا جو اسلامی تاریخ کا ایک عظیم سانحہ ہے، اس میں

شہدائے کربلا کے کردار محض رنج وغم کے پیرائے میں بیان کر کے، ان کی مظلومیت کو اس انداز سے بیان کیا جاتا ہے کہ ان کی ''شجاعت'' کی داستان اس آہ و بکا میں کہیں پس پردہ چلی جاتی ہے۔ بالخصوص حضرت زینبؓ بنت علی کے صرف نوحے بیان کیے جاتے ہیں جب کہ انہوں نے اس اہم اور تاریخی موقع پر جس عظیم الشان استقامت اور دلیری کا مظاہرہ کیا، اگر اس کو درست پیرائے میں بیان کیا جائے تو اکیسویں صدی کی عورت کے لیے اس میں پیغام حیات ہے کہ مسلمان خواتین نے ہر دور میں اپنے کردار کو پہچانا ہے، ہر وہ قربانی دی ہے جس کا تقاضا فطرت ایک مرد سے کرتی ہے۔ قرونِ اولیٰ کی یہ عظیم خواتین چاہے حضرت خدیجہؓ ہوں یا شہزادی فاطمہ الزہرہؓ، علم کا چراغ سیدہ عائشہؓ ہوں یا میدان جنگ میں زخم پہ زخم سہنے والی حضرت ام عمارہؓ۔ دیگر امہات المومنینؓ وصحابیات رسول ﷺ کی جو مختصر روایات ہم تک پہنچی ہیں وہ بھی ان کے غیر معمولی اور انتہائی حساس کردار کی گواہ ہیں۔

اہم ترین بات یہ کہ ایک مسلمان عورت مغربی عورت کی طرح مرد بن کر سماج میں کردار ادا نہیں کرتی بلکہ اپنے خانگی تقاضوں اور عفت کی چادر میں رہ کر وہ بڑے بڑے کام کرتی ہے کہ اس کی مثال دنیا کی تاریخ پیش نہیں کر سکتی۔

یہاں سیدہ زینبؓ بنت علیؓ کے کردار کو دیکھیں کہ عورت ذات جو جسمانی حوالوں سے کمزور ہے اور جذباتی اور نفسیاتی حوالے سے بھی مرد کی طرح قوی نہیں ہے۔ تاریخ کے اس دردناک سانحے کے موقع پر جب کہ بھائی، بھتیجے، بیٹے سب شہید ہو چکے ہیں، ان کے لاشے بھی شقی القلب لوگوں نے پامال کیے، ان کے سر نیزوں پر اچھالے، یہ سب دیکھ کر کوئی بھی عورت اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھتی مگر وہ اپنے اوسان بحال رکھتی ہیں۔ نہ صرف حضرت زین العابدینؒ کے آگے دیوار بن کر ان کی حفاظت کرتی ہیں بلکہ گاہے گاہے دشمنوں کو بھی للکارتی

اور ان کی غیرت کو بیدار کرتی ہیں۔ ان کو شرمندہ کرتی ہیں کہ اہل بیت رسول ﷺ کے ساتھ جو کچھ وہ کر چکے، کم از کم اس پر شرمندہ ہی ہو جائیں۔

شہدائے اہل بیت کی ترجمان:

کربلا کی شہزادی سیدہ زینبؓ کے درج ذیل الفاظ پڑھیں جن سے عرش کانپ گیا ہو گا۔ جب حضرت زینبؓ نے شہدائے کربلا کے لاشے دو روز بعد بھی بے گور و کفن میدان میں پڑے دیکھے تو اپنے جذبات کو یوں کربناک لفظوں کی لڑی میں پرویا:

ترجمہ: ''اے محمد مصطفیٰ (ﷺ)! آیئے دیکھئے، آپ کے حسینؓ کا خون آغوش لاشہ چٹیل میدان میں پڑا ہے۔

اس کا جسم پارہ پارہ کر دیا گیا ہے۔

آپ ﷺ کے گھرانے کی لڑکیاں رسیوں میں جکڑی ہوئی ہیں۔

آپؐ کی ذریت قتل کر کے گرم ریت پر بچھا دی گئی ہے۔

اس پر خاک اڑ رہی ہے،

اے میرے نانا! یہ آپؐ کی اولاد ہے جسے ہنکایا جا رہا ہے۔

ذرا حسینؓ کو دیکھئے اس کا سر کاٹ لیا گیا ہے،

اس کا عمامہ اور چادر چھین لی گئی ہے۔''

زینب کبریٰ کا یہ درد بھرا نوحہ سن کر کون سا دل ہو گا جو پارہ پارہ نہ ہو گیا ہو۔ ایسے مواقع پر اہل کوفہ بڑی تعداد میں ان کے گرد جمع ہو جاتے۔

ایسے ہی ایک موقع پر انہوں نے فرط جذبات سے فرمایا:

''لوگو! اپنی نظریں نیچے رکھو۔ یہ محمد الرسول اللہ ﷺ کی لٹی ہوئی اولاد ہے۔''

اس غم و الم کی کیفیت میں بھی وہ لوگوں کے جذبہ حیا کو بیدار کر رہی ہیں۔

قرۃ عین المرتضیٰ رضی اللہ عنہ:

جن ہاتھوں نے سیدہ زینبؓ کو جھولا جھلایا تھا، وہ تاریخ میں ''باب العلم'' کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ وہ درس علم وحکمت چھن چھن کر سیدہ کی رگوں میں اتر گیا تھا۔ ان کے اہل خانہ کی پیشانی پر تحریر تھا کہ وہ کس کی اولاد ہیں۔ تاریخ ایسا عظیم الشان کوئی دوسرا حوالہ ڈھونڈنے سے عاجز ہے۔ اس وقت اہل کوفہ جمع ہیں۔ نہ معلوم ضمیر کا بوجھ انہیں سیدہ کے در تک لے آیا یا ان کے ساتھ ہمدردی، اہل کوفہ کو جو اپنے اطراف جمع دیکھا تو انہوں نے ایک عبرت انگیز خطاب کیا۔ لوگوں نے محسوس کیا کہ نسوانی لہجہ میں شاید خود حیدر کرار گویا ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

ترجمہ: ''اے کوفیو! اے مکارو! اے عہد شکنو! اپنی زبان سے پھر جانے والو!
خدا کرے تمہاری آنکھیں ہمیشہ روتی رہیں۔
تمہاری مثال ان عورتوں جیسی ہے جو خود ہی سوت کاٹتی ہیں،
اور پھر اسے خود ہی ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہیں۔
تم نے خود ہی میرے بھائی سے رشتہ بیعت جوڑا اور خود ہی توڑ ڈالا۔
تمہارے دلوں میں کھوٹ اور کینہ ہے۔
تمہاری فطرت میں جھوٹ اور دغا ہے۔
خوشامد، شیخی خوری اور عہد شکنی تمہارے خمیر میں ہے۔
تم نے جو کچھ آگے بھیجا ہے، وہ بہت برا ہے۔
تم نے خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند کو، جو جنت کے سردار ہیں قتل کیا۔
قہر تمہارا انتظار کر رہا ہے۔
آہ! اے کوفہ والو، تم نے ایک بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔

جومنہ بگاڑنے والا اور مصیبت میں مبتلا کر دینے والا ہے۔

یادرکھو تمہارا رب نافرمانوں کی تاک میں ہے۔

اس کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔''

ان کے خطابات سن کر اکثر کوفیوں کی روتے روتے گھگی بندھ جاتی تھی، ایسے ہی ایک موقع پر حذلم بن کثیر جس کی وجہ شہرت فصاحت و بلاغت تھی، بے ساختہ کہہ اٹھا:

''واللہ اے علیؓ کی بیٹی، تمہارے بوڑھے سب بوڑھوں سے، تمہارے جوان سب جوانوں سے، تمہاری عورتیں سب عورتوں سے، تمہاری نسل سب نسلوں سے بہتر ہے، جو حق بات کہنے میں کسی سے نہیں ڈرتی۔''

تاریخ کی دردناک تقریر:

ابن زیاد نے شہداء کے سروں اور اسیران اہل بیت کو فوج کے پہرے میں یزید کے پاس دمشق روانہ کر دیا۔ تھکا دینے والے سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے اہل بیت دمشق پہنچے تو انہیں یزید کے دربار میں پیش کیا گیا۔ جب امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر اقدس سیدہ زینبؓ نے یزید کے سامنے رکھا ہوا دیکھا تو اہل دربار کو مخاطب کر کے ایک دردناک تقریر کی:

ترجمہ: ''اے یزید! گردش افلاک اور ہجوم آفات نے مجھے تجھ سے مخاطب ہونے پر مجبور کر دیا۔ یاد رکھ اللہ رب العزت ہمیں زیادہ عرصے تک اس حال میں نہ رکھے گا۔ وہ ہمارے مقاصد کو ضائع نہ کرے گا۔

تو نے ہمیں نہیں اپنے آپ کو نقصان پہنچایا ہے۔

آہ! تیرے آدمیوں نے دوش رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سوار، اس کے بھائیوں، فرزندوں اور ساتھیوں کو نہایت بے دردی سے ذبح کیا ہے۔ انہوں نے پردہ نشینانِ اہل بیت کی بے حرمتی کی۔ اے کاش تو اس وقت شہیدانِ کربلا کو دیکھ سکتا، تو اپنی ساری دولت وحشمت کے

بدلے ان کے پہلو میں کھڑا ہونا پسند کرتا۔ ہم عنقریب اپنے نانا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان مصائب کو بیان کریں گے جو تیرے بے درد ہاتھوں سے ہمیں پہنچے ہیں اور یہ اس جگہ ہوگا جہاں اولادِ رسول ﷺ اور اس کے ساتھی جمع ہوں گے، ان کے چہروں کا خون اور جسموں کی خاک صاف کی جائے گی۔ وہاں ظالموں سے بدلہ لیا جائے گا۔ حسینؓ اور ان کے ساتھی مرے نہیں ہیں اپنے خالق کے پاس زندہ ہیں اور وہی ان کے لیے کافی ہے۔ وہ عادلِ حقیقی نبی کریم ﷺ کے اہل بیت اور ساتھیوں کو قتل کرنے والوں سے ضرور بدلہ لے گا۔ وہی ہماری امید گاہ ہے اور اسی سے ہم فریاد کرتے ہیں۔''

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا جنہوں نے رنج والم کی انتہا دیکھی ہے، لیکن ان کا لفظ لفظ ایمان ویقین سے بھرا ہوا ہے۔ اپنے قریبی عزیزوں اور روئے زمین کی عظیم ترین ہستیوں کو انہوں نے بے دردی سے قتل ہوتے، نیز ان کے لاشے تک پامال ہوتے دیکھے ہیں لیکن ان کے خطبات ان کے یقین کا سرمایہ ہیں۔ وہ امت کو بتا رہی ہیں کہ دنیا کی زندگی محض امتحان گاہ ہے اور سیدہ کا خاندان اس امتحان میں پورا اتر چکا ہے۔ وہ اپنے نانا کے دین اور ان کے چھوڑے ہوئے مشن کے سامنے سرخرو ہیں کہ گردنیں تو کٹا دیں مگر باطل کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا۔ رہتی دنیا تک مسلمانوں کے لیے یہ پیغام چھوڑ گئے کہ اگر اللہ کی زمین فتنہ وفساد کی زد میں ہو، ریاستی ادارے کو بے توقیر کیا جا رہا ہو تو اجتماعیت کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی پیش کر کے اپنے ایمان کی گواہی پیش کرنا چاہیے۔ ایمان کو بچانے کے لیے جان کو قربان کیا جا سکتا ہے۔ وہ سر جس میں لا الٰہ کا سودا سمایا ہوا ہو، باطل کے سامنے کٹ تو سکتا ہے جھک نہیں سکتا، بک نہیں سکتا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی رگوں میں بھی وہی پاکیزہ لہو تھا۔ ان کی تربیت بھی اسی عظیم الشان گہوارے سے شروع ہوئی تھی۔ انہوں نے پورے شعور کے ساتھ اس راستے کا انتخاب کیا جس کو جنت کے شہزادے سیدنا امام حسینؓ نے چنا تھا۔ پورے قافلے کے لٹ جانے کے باوجود نہ وہ خوف زدہ ہوئیں، نہ دھمکیاں ان کو مرعوب کر سکیں۔ وہ جب تک

زندہ رہیں حق کی گونج بن کر زندہ رہیں۔ وہ امت کے ماتھے کا جھومر ہیں۔ اہل بیت کی ان عظیم الشان قربانیوں سے امت کو نئی زندگی ملی اور وہ نقوش پا ملے جن پر چل کر ہی انسانیت فلاح یاب ہوسکتی ہے۔

سفر مدینہ منورہ:

شیر خدا کی بیٹی کی گرج چار سو سنی اور محسوس کی جا رہی تھی۔ یزید خوف زدہ تھا کہ خاندان رسالت مآب ﷺ کی حمایت میں لوگ اس کے خلاف نہ سربکف ہو جائیں چنانچہ اس نے حضرت نعمان بن بشیرؓ کی حفاظت میں اس قافلہ کو مدینہ منورہ روانہ کرنے میں ہی عافیت جانی۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے یہ تاریخی الفاظ روایات میں محفوظ ہیں کہ جب قافلہ چلنے لگا تو انہوں نے فرمایا:

''محملوں پر سیاہ چادریں ڈال دو تا کہ دیکھنے والوں کو پتہ چل جائے کہ یہ سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا کی دل فگار اولاد کا قافلہ ہے۔''

جس روز یہ قافلہ مدینہ منورہ میں پہنچا اس روز مدینہ کی ہر گلی سوگوار تھی۔ ہزاروں لوگ آنسوؤں کے نذرانے لیے سیدہ زینبؓ کے استقبال کو موجود تھے۔ ان مصیبت زدہ مسافروں کی پیشانیوں پر ایک تاریخ درج تھی۔ وہ سراپا الم تھے، سیدہ نے بے تابانہ روضہ رسول ﷺ پر حاضری دی۔ نانا ﷺ کے روضہ کی چوکھٹ پر سر رکھا تو دل کے بوجھ نے آنسوؤں کی شکل اختیار کر لی۔ ایک نواسی محترم نانا جان ﷺ کو رستوں کی نہیں منزلوں کی کہانی سنا رہی تھی۔ جنہیں منزلوں کا یقین تھا۔ منزلوں نے خود بڑھ کر راستوں کو سمیٹ دیا تھا اور ان کے قدم چوم لیے تھے۔ سیدہ نے اس وقت صبر کیا تھا جب پتھروں کے کلیجے پانی ہو چکے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہا غم سے نڈھال اہل مدینہ منورہ کو بار بار صبر کی تلقین کرتیں اور آخرت کے گھر کی یاد دلاتیں۔

سفر آخرت:

کربلا کی شہزادی سیدہ زینب بنت علی رضی اللہ عنہما کے سفر آخرت سے متعلق مختلف روایات ہیں۔ایک روایت میں ہے کہ مدینہ منورہ میں انتقال ہوا جبکہ ایک روایت مصر اور ایک دمشق میں ان کے انتقال سے متعلق ہے۔مختلف روایات سے ثابت ہے کہ وہ جب تک زندہ رہیں واقعہ کربلا کے مصائب اور درس نصیحت کو نہایت فصاحت و بلاغت سے بیان کرتی تھیں۔ وہ مرجع خلائق رہیں۔لوگ دور دور سے ان کے پاس آتے۔ عامل مدینہ نے اس کی خبر یزید کو دی تو اس نے حکم دیا کہ زینب کو کسی دوسرے شہر میں بھیج دو۔روایات میں ہے کہ بہی خواہوں کے بے حد اصرار پر وہ مصر تشریف لے گئی تھیں۔

یہاں سوچنے کی بات یہ ہے کہ حکمرانِ وقت ایک تنہا عورت سے کیا خوف محسوس کرتا ہے کہ اس کو ملک بدری پر مجبور کرتا ہے۔ایمان کی طاقت صنف قوی یا صنف نازک نہیں دیکھتی۔ جہاں ایمان ہوتا ہے لازمی اظہار ہوتا ہے۔سیدہ زینبؓ کا جس درجہ کا ایمان تھا وہ حکمرانِ وقت کی نیندیں اڑانے کے لیے کافی تھا۔ وہ حق کی للکار تھیں۔ صبر وعزیمت کا پہاڑ تھیں۔شہداء کے قافلے کی علامت تھیں۔

اسی ایمان کی ایک چنگاری آج چودہ سو برس بعد ڈاکٹر عافیہ کی خاکستر میں ہے تو وقت کی سپر پاور اس ایک عورت سے خوف زدہ ہو کر اس کو کبھی 86 برس کی سزا سناتی ہے تو کبھی جیل خانے کی سختیوں میں اضافہ کر دیتی ہے۔ڈاکٹر عافیہ بھی اسی حسینیؓ قافلے کی للکار ہیں اور وقت کی پیشانی پر رقم ہے کہ اسلام کی تاریخ عزیمتوں سے عبارت ہے۔ یہاں عورت اور مرد کی تخصیص نہیں ہے۔امت کے سارے مرد بھی رہتی دنیا تک حضرت حاجرہؓ کے نقوش پا پر دوڑتے رہیں گے اور طبقہ نسواں کے جذبہ ایمانی کو خراج تحسین پیش کرتے رہیں گے۔امت کی ان عظیم خواتین کو رہتی دنیا تک کی مسلمان عورتوں کا سلام رضی اللہ عنہن۔❊❊❊